وحید اللہ
اسکالر پی ایچ ڈی، اردو
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

آبِ گم کا تجزیاتی مطالعہ

Mushtaq Ahmad Yousafi is a great asset to the treasure of Urdu prose. He is a tall tower of humour and criticism. His works reflect the great cause that is the reformation of humanity. One of his valuable works is "Aabi-Gum" published in 1990. This artistic beauty is on climax in this creation. It is really worth reading book, and the author has critically analyzed its various aspects in this article.

جدید اردو ادب کے نثری سرمائے میں طنز و مزاح اور مشتاق احمد یوسفی کا نام لازم و ملزوم ہے۔ بہت سے قلم کاروں کی یہ دلی منشا رہی کہ طنز و مزاح کے میدان کو مطلوبہ ارتقاع اُن کی وساطت سے دستیاب ہو مگر جس ہما کی بدولت اردو ادب کے اس پہلو اور صنف کو بامِ عروج اور دبستان کی حیثیت عطا ہوئی اُس کا اصل نام مشتاق احمد یوسفی ہی ہے۔ مشتاق احمد یوسفی کی چوتھی باقاعدہ شائع شدہ کتاب ''آبِ گم'' ہے جو کہ ۱۹۹۰ میں منظرِ عام پر آئی۔ اسی تخلیق کے اولین صفحہ پر ارشد، سروش، رخسانہ اور سیما کے نام ثبت ہیں جو مصنف کی سگی اولاد ہیں۔ اس کتاب تک کا سفر بہت طویل ہے۔ مصنف کی جہاں جسمانی نقش و نگار میں تبدیلی حقیقت ہے وہاں فکری و قلبی احساسات اور خیالات کی دنیا بھی کچھ نہ کچھ بدلی ضرور ہے۔ اگر آبِ گم کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی یہاں مصنف سے ہم آہنگ فن و فنکاری خاصی پختہ ہوگئی ہے۔ اسی وجہ سے یہ معراج پاتے پاتے موصوف کے ہاں دانش و بینش، فراست و ذکاوت، بالغ نظری اور دور اندیشی کا ملکہ خاصا توانا اور جوبن میں دکھائی دے رہا ہے۔ ایسا محوس ہوتا ہے کہ چوتھی کتاب کی تخلیق بظاہر طنز و مزاح سے بھرپور ہے مگر اندر سے ایک ایسا کردار موجود ہے جو اس تمام تصنیف پر حاوی ہے اور وہ فلسفی مشتاق احمد یوسفی ہے۔

آبِ گم میں ذہانت کی مظبوطی، فکر کی وسعت اور عمیق نظری کا گنج چھپا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ایک عالمانہ اور فلسفیانہ رو سے سامنے ہوتا ہے کہ جس کی وجہ سے جزئیات بیانی، خیالات کے اظہار، منظر گفتاری، واقعہ شناسی اور تحریک سازی کے تحت نہایت جامعیت ملتی ہے۔ آگے بڑھتے بڑھتے (گردشِ ایام کو پیچھے کی طرف دوڑانا) عہدِ قدیم اور پھر عصرِ حال بیان کرتے کرتے زمانہ مستقبل کی طرف

چھلانگ لگانا مشتاق احمد یوسفی کی خاص ادا ہے۔یوں بے زاری اور مایوسی مفقود اور زندہ دلی اور جینے کی آرزو ہر دم جواں نظر آتی ہے۔اس کتاب کا مصنف زندگی گزارنے اور زندگی جینے کے اُتار چڑھاؤ سے واقف ہے۔اس لیے ''جیو اور جینے دو'' کے فلسفے پر گامزن ہے۔یاد رہے کہ آبِ گم کا مرکزی موضوع ماضی پرستی ہے۔اس بیماری کو مصنف لعن طعن کی سوچ سے دیکھتا ہے۔وہ اس کو بدنی شکست قلبی بے سکونی، فکری بے راہ روی اور روحانی رنگی سمجھتا ہے۔مشتاق احمد یوسفی کی اس تخلیق میں مقدمہ غنودیم غنودیم (پس وپیش لفظ) کے علاوہ پانچ ابواب جن میں حویلی، اسکول ماسٹر کا خواب، کار، کابلی والا اور آلہ دین بے چراغ، شہر دو قصہ اور دھیرج گنج کا پہلا یادگار مشاعرہ شامل ہے۔پس وپیش لفظ کے تحت آبِ گم کا عنوان وموضوع، مواد واسباب اور کرداروں وغیرہ کی تفصیل درج ہے۔شروع میں میاں احسان الٰہی کی بیماری، اُس سے منسلکہ دیگر یادداشتیں، دل کی کمزوری، روزے کا بیاں، بدپرہیزی کا حال، چنیوٹ، سرگودھا اور ساہیوال کا ذکر، فالج کا حملہ لائبریری وکتب کا قصہ، بینائی کی کمزوری اور منور حسین کی موت کا بیان قلم بند کیا گیا ہے۔آگے مصنف نے آبِ گم کو پانچ کہانی نما خاکوں پر مشتمل بتایا ہے۔واقعات وکردار کو فرضی تصور کرنے کی تاکید کی گئی ہے جب کہ مشاہیر کے بیان کو حقیقی قرار دیا گیا ہے۔میاں احسان الٰہی کی رحلت کے ذکر سے مصنف کے لہجے سے اُس دلی کرب کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔پھر بیرون ملک قیام کے دنوں اور وطن عزیز سے محبت کا بیان تحریر کیا گیا ہے۔مصنف نے بہت مہارت سے دو تین جملوں میں عوام وخواص کے مختلف گروہوں ، جمہوریت اور آمریت کی داستان لکھی ہے۔لندن کے حوالے سے لوگوں، موسموں اور قول وفعل کا بیان بھی خاصا مزیدار ہے۔جن حالات وواقعات سے مصنف کا سامنا رہا انھیں الگ کتابی صورت دینے کی نوید بھی سنائی گئی ہے۔آبِ گم کے کرداروں کو ناسٹلجیا کے مریض قرار دیا گیا ہے۔اسی کتاب کو جس جس باب ونام کے لحاظ سے ترتیب دیا گیا ہے اُس کو مصنف کے زبانی سنیے۔

> ''حویلی کی کہانی'' ایک متروکہ ڈھنڈار حویلی اور اس کے مغلوب الغضب مالک کے گرد گھومتی ہے۔''اسکول ماسٹر کا خواب'' ایک دکھی گھوڑے، حجام اور منشی سے متعلق ہے۔''شہر دو قصہ'' ایک چھوٹے سے کمرے اور اس میں پچھتر سال گزار دینے والے سنکی آدمی کی کہانی ہے۔''دھیرج گنج کا پہلا یادگار مشاعرہ'' میں ایک قدیم قصباتی اسکول اور اُس کے ایک ٹیچر اور بانی کے کیری کیچر پیش کیے گئے ہیں اور ''کار''، ''کابلی والا'' اور ''الہ دین بے چراغ'' ایک کٹھارا کار، ناخواندہ پٹھان آڑھتی اور شیخی خورے اور لپاڑی ڈرائیور کا حکایتی طرز میں ایک طویل خاکہ ہے۔(۱)

مشتاق احمد یوسفی نے غنودیم غنودیم کے تحت جو کچھ بھی لکھا ہے اُن میں وہی گرمی اور تازگی ہے جو چراغ تلے کے پہلا پتھر، خاکم بدہن کے دست زلیخا اور زرگزشت کے تزک یوسفی میں زوروں پر تھی۔لگتا ہے کہ اُن سب کا نچوڑ یہاں پر ایک جداگانہ طرز میں پیش کیا گیا ہے۔مگر حق یہ ہے کہ کسی بھی جگہ پر مصنف ''غیر حاضر'' نہیں ہے۔وہی خوبصورت اور شائستہ لہجہ وآواز جو کہ مشتاق احمد یوسفی کی اصلی پہچان ہے ''آبِ گم'' کے پہلے خاکے ''حویلی'' میں ایک ایسے کردار سے شناسائی ممکن ہوتی ہے۔ جو کہ ماضی پرستی کی بیماری میں مبتلا ہے۔وہ حویلی کی تصویر لوگوں کو دکھا دکھا کر ماضی کی سطوت کو رعب ڈالتا رہتا ہے اور آج کے زمانے کو شک وحقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ماضی، حال اور مستقبل

کی اہمیت سے انکار کسی صورت ممکن نہیں ہے مگر صرف ایک عصر پر تکیہ کرنا اور باقی کو ناقص قرار دینا واقعی ایک ذہنی علالت ہے۔ جس کو مشتاق احمد یوسفی نے ناسٹلجیا کا نام دے رکھا ہے۔ ''حویلی'' میں مشہور کردار بشارت علی فاروقی ہے۔ اس مضمون یا خاکے میں اسی کردار کے سسر کے حالات اور واقعات کو تفصیل سے تحریر کیا گیا ہے۔ مصنف کے باکمال فقروں اور منفرد طرز سے اس کردار کو خاصہ دلچسپ اور قابل توجہ بنا دیا گیا ہے۔ اس کردار سے ہم آہنگ خو و خصلت کچھ اسی طرح کا ہے کہ ہنسی اور تبسم رکھتا نہیں۔ یہ کردار ماضی پرست ہے اور حال میں اس کو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ عصر حاضر کو ناہموار اور عہد ماضی کو بے نظیر سمجھتا ہے۔ غصے کے بہت تیز اور جھگڑالو کردار قبلہ اپنی جگہ پر ایک عجوبے سے کم نہیں۔ دوسروں کو ذلیل کرنا اور انھیں حقیر ثابت کرنا اس کردار کا خاص فن ہے۔ وہ بہت آگے نکل جاتا ہے اور وہیات کے ساتھ اللہ واحد سے بھی شکوے کرتا رہتا ہے۔ کراچی جانے اور قیام سے اس کے ہاں واضح تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ غصے کو کسی نہ کسی حد تک قابو میں رکھنا ہے۔ اگرچہ وہ کبھی مطابقت کو برداشت نہیں کرتا۔ مگر کراچی شہر میں مجبوراً وہ ایسا کرتا ہے۔ جب کراچی جیسے بڑے شہر میں در بدر کی ٹھوکرے کھاتا ہے تو وہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ قبلہ واقعی ندامت محسوس کرتا ہے۔ بیوی کے پوچھنے پر ''دیکھتے ہیں''، ''دیکھیں گے'' اور ''دیکھا جائے گا'' کے الفاظ ادا کرنے سے خوب ظاہر ہوتا ہے کہ اب یہ کردار پہلے جیسے نہیں رہا بلکہ زمانے کے تھپیڑوں سے بدل گیا ہے۔ کردار قبلہ ہر کسی کو ''حویلی'' کی تصویر دکھا کر چھوڑ آئے ہیں''۔ کے جملے سے ایک طرف خود کو رئیس ثابت کرنا اور دوسری طرف گذشتہ وقت کو افضل بتانا چاہتا ہے۔ یوں قاری اس کردار پر ہنسی اور ہمدردی دونوں کا اظہار کرتا ہے۔ نوکر کی بدتمیزی اور دوسری کمزوریوں کی وجہ سے یہ کردار ٹوٹ جاتا ہے۔ مشتاق احمد یوسفی نے اس کردار کو تضاد کا نمونہ ثابت کیا ہے۔ کانپور اور کراچی میں بدلتے حالات سے کردار کو دو رُخ چہرہ سامنے آتا ہے۔ حویلی کی تصویر ماضی پرستی کی عکاسی کرتا ہے۔ یوں اس کردار میں احساس محرومی و یاسیت ہے۔

آبِ گم کا دوسرا خاکہ ''اسکول ماسٹر کا خواب'' ہے۔ یہاں پر سماجی حقائق کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اگرچہ بہ ظاہر یہ فاتح نہیں بلکہ مفتوح کرداروں کی داستان ہے۔ اس کہانی نما خاکے کو مصنف نے کچھ ایسا طرفہ رنگ و آہنگ عطا کیا ہے کہ واقعی طنز و مزاح کا ایک گلدستہ معلوم ہوتا ہے۔ لنگڑا گھوڑا خریدنا اور انتہائی نامساعت حالات کے بیان کے لیے بہت شیریں مزاحیہ قرینہ اپنایا گیا ہے۔ یاد رہے کہ بشارت حسین کے ساتھ کوچوان رحیم بخش، منشی کرامت حسین اور والدِ بشارت حسین کے کردار بھی اس خاکے میں موجود ہے۔ مشتاق احمد یوسفی نے جہاں ''چراغ تلے''، ''خاکم بدہن'' اور ''زرگذشت'' میں انسانی کردار نگاری کو معراج تک پہنچایا ہے وہاں پر آبِ گم کے اس خاکے میں گھوڑے بلبن کو بھی ایک جاندار کرداری صورت عنایت کی ہے۔ سیٹھ کا بشارت کو لنگڑا گھوڑا دینا اور پھر خریدار پر الزام تراشی کرنے سے جو مزاحیہ و مکالماتی صورت عیاں ہوتی ہے وہ واقعی پڑھنے کی چیز ہے۔ یہاں پر مصنف نے ایک لحاظ سے معاشرتی و سماجی حقائق کو آئینے میں پیش کیا ہے کہ کس طرح یہ دستور ہے کہ اپنی کمزوری اور گناہ کو دوسروں کے نام کیا جاتا ہے۔ کوچوان اور بشارت فاروقی کے بوڑھے والد کا کردار بھی خاص ہے۔ دونوں ایک لحاظ سے طرفہ تماشا ہیں کہ ہر ایک کی توجہ اپنی جانب مبذول کرتے ہیں۔ ان دونوں کرداروں سے مصنف نے طنزیہ و مزاحیہ کردار نگاری میں بہترین اضافہ کیا ہے۔ منشی کرامت حسین، بشارت حسین کے پدر اور رحیم بخش کوچوان کے کردار کو مصنف نے اس طرح کی فنکاری سے دکھایا ہے کہ کبھی ہمدردی، کبھی ہنسی اور کبھی نفرت کے حقدار ٹھہرتے ہیں۔ یعنی مصنف نے معاشرے

کے اندر سے ان کرداروں کی تخلیق کی ہے کہ انسانی گوشت پوست اور زندہ دل وروح کے مالک محسوس ہوتے ہیں۔مشتاق احمد یوسفی نے بہت سی باتوں اور حقیقت کا اظہار اشاروں و جزئیات نگاری کے تحت کیا ہے۔اب جو بھی صورت حال ہے قاری بالکل بھی بوریت محسوس نہیں کرتا بلکہ مصنف کا کمال یہ ہے کہ قاری کو اپنا ہمنوا بنالیتا ہے۔ پہلے حصے کو مشتاق احمد یوسفی نے فیوڈل فینٹسی ، کچھ قوس قزح سے رنگ لیا، کچھ نور چرایا تاروں سے، چورا ہے بلکہ شش و پنج راہے پر، گھوڑے کے ساتھ شجاعت بھی گئی، گل جی کے گھوڑے بلبل فقط آواز ہے طاؤس فقط دم، افضل ترین دم، ہماری سواری: کیلے کا چلکا، ریس کورس سے تانگے تک، شاہی سواری، غربا کشتن، روز اول، ہمارا کجاوہ اور جنازے سے دور رکھنا، میں منقسم کرکے بہترین اظہار خیال کیا گیا ہے۔اس کے بعد جگ میں چلے پون کی چال، بدست بہ دیوار واں گیا، آلہ دین ہشتم، ہالف ماسٹ چابک، شیر کی نیت اور بکری کی عقل میں فتور، مہاتما بدھ بہاری تھے اور باوجود دھرلیا کے عنوان تحریر کیے گئے ہیں۔خاکہ ''اسکول ماسٹر کا خواب'' بہت طویل ہے اور مزید بائیس ذیلی عنوانات مدنظر رکھ کر مصنف نے ایسا طرز اپنایا ہے کہ قاری پڑھتے پڑھتے کہیں بھی اکتاہٹ اور تھکاوٹ محسوس نہیں کرتا۔ بلکہ ہر دفعہ ایک نئی تازگی اور مسکراہٹ پاتا ہے جس طرح مشتاق احمد یوسفی کا فن و قلم مزاح وطنز کی دولت سے مالا مال ہے اسی طرح اس کا نام و کام بھی بہت معروف ہے۔ڈاکٹر اسل فرخی لکھتے ہیں کہ:

''یوسفی کا مزاح، شگفتگی، ہمدردانہ شعور اور فنی اظہار کے بانکپن سے عبارت ہے۔ وہ بات میں سے بات پیدا نہیں کرتے بلکہ بات خود کو ان سے کہلوا کر ایک طرح طمانیت اور افتخار محسوس کرتی ہے۔''(۲)

آب گم کا اگلا خاکہ ''کار، کابلی والا، اور آلہ دین بے چراغ کے نام سے تحریر کیا گیا ہے۔مصنف نے اس خاکے کے تحت ایک کار، پٹھان اور ڈرائیور کی کہانی بیان کی ہے۔ چوں کہ بشارت فاروقی بہت جلد باز اور جذباتی قسم کا انتہا پسند کردار ہے۔اس لیے جس طرح گھوڑا خریدتے وقت لنگڑا لے آیا تھا اسی طرح کار لیتے وقت پرانی موٹر خرید لایا تھا۔ یوں ایک اور معمہ گلے پڑ گیا۔ پولیس والے الگ پریشان کرنے لگے تھے۔آئے دن پرانے کار میں کوئی حصہ کام چھوڑ دیتا۔ وہ ایک کام ابھی مکمل نہیں کرپاتا کہ ایک اور مرمت سے واسطہ پڑتا۔ یوں مصنف نے اسی صورت حال کو بہت مزاحیہ صورت میں پیش کیا ہے۔ یہ خاکہ ایک لحاظ سے پہلے خاکے کا تسلسل ہے کیوں کہ گھوڑے سے شروع یہ کہانی سواری تک آ گئی کہ اب بشارت فاروقی ضرور کوئی سواری رکھنا چاہتا ہے۔کیوں کہ اب عادت ہو گی ہے۔مشتاق احمد یوسفی نے پہلے حصے ''چلی سمت غرب سے اک ہوا'' کے تحت سائیکل، رکشا سائیکل، کراچی اور سمندری ہوا پر بحث کی ہے کہ بشارت فاروقی کو موٹر سائیکل اس لیے پسند نہیں تھا کہ وہ خودکشی کا آسان ذریعہ تھا۔مصنف نے ''خر گزشت'' کے ضمن میں گدھے پر ایک خوبصورت مزاحیہ پیراگراف ثبت کیا ہے جو واقعی پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ حصہ ملاحظہ ہو:

> ''ہم ایشیائی دراصل گدھے کو اس لیے ذلیل سمجھتے ہیں کہ اس میں کچھ انسانی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔مثلاً یہ کہ اپنی سہارا اور بساط سے زیادہ بوجھ اُٹھاتا ہے اور جتنا زیادہ پٹتا اور بھوکوں مرتا ہے اتنا ہی اپنے آقا کا مطیع وفرمان بردار اور شکر گزار ہوتا ہے۔''(۳)

بے کار مباش کے تحت موصوف کے خیالات کا مرکزی خیال یہ ہے کہ دلیل و منطق کو اپنے تک محدود نہ رکھے بلکہ اس کی حیثیت